391/05/05/126

Name: Shabana Perveen

Supervissor Name: Prof. S. M. Azizuddin H.isain

Topic: Madarsa Education During 13th to 14th Century.

Deptt: History and Culture, Jamia Millia Islamia , New Delhi

تلخیص (Abstract)

ماضی کے تاریخی آئینہ میں کسی بھی سماج کے سیاسی، سماجی، معاشی، ، تہذیبی اور ثقافتی حالات کا مطالعہ انسان کے فطری نظریات وخیالات کو جلا بخشتا ہے۔ ایک راست گو مورخ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ سے حقائق تک پہونچے۔ اسی طور پر ایک سچا مورخ تاریخ کو Subjectivity سے Objectivity کی طرف لانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں ماضی کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، فکری تعلیمات کی بازیافت کی عمدہ سعی ہے۔اس تحقیق کا مقصد سلاطین دہلی اور مغل حکمرانوں کے عہد حکومت میں مسلمانوں کے علمی اور فکری حالات کا جائزہ ہے اور مسلم حکمرانوں کی تعلیمی پالیسیوں اور کوششوں ایک نئے زاویہ سے پرکھنے کی کوشش ہے۔ تاریخ ہند سے متعلق ابتدائی تحقیق ایک خاص مقصد کے لئے یورپین مورخین نے شروع کیا۔اپنے جانبدارانہ رویہ کی بنا پر انھوں نے ہندوستان کی علمی ترقی کو بھی جھٹلا کر فرسودہ، غیر ترقی یافتہ اور منجمد قرار دے دیا۔ یوروپی مورخین کی ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے تا کہ مسلمانوں کے عہد زریں کی جو تصویر ان مورخین نے بنائی ہے، اسے صحیح رخ دیا جائے۔

عام طور سے غیر ملکی مورخین اور ان کے ہمنواؤں نے عہد وسطی کے تعلیمی نظام کی بابت جو رائے قائم کی ہے، وہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان میں عہد سلاطین سے لے کر مغل عہد کے زوال تک تعلیمی ارتقاء کا سلسلہ بدستور ترقی پذیر رہا ہے۔دراصل ہندوستان میں مسلمانوں کے تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی اداروں کی داغ بیل التتمش کے دور سے ہی شروع ہو چکی تھی اور وہ مسلسل ترقی کے مراحل طے کر رہے تھے۔لیکن افسوس کہ تاریخی طور پر اس کی تعلیمی دلچسپیوں کا ذکر سیاسی تاریخوں اور دستاویزوں میں بہت کم ملتا ہے۔

بقول برنی کے چنگیز خاں کے فتنہ فساد سے عاجز و پریشان ہو عہد شمسی میں کر اربابِ فضل وکمال ہندوستان میں اس قدر جمع ہو گئے تھے کہ ربع مسکون میں اس کی کوئی مثال نہ تھی۔ سلطان شمس الدین کا دربار محمود سنجری کا دربار معلوم ہوتا تھا۔ منہاج السراج جو طبقات ناصری کا مصنف ہے، لکھتا ہے کہ سلطنت کے ابتدائی عہد اور صحیح فرمانروائی کے طلوع سے اس نے نامور علماء، بزرگ، سادات، ملوک، امراء، صدروں اور دوسرے بڑے لوگوں کو جمع کرنے کی انتہائی کوششیں کیں، ان پر ہر سال دس کروڑ سے زائد خرچ ہوتا تھا۔ دنیا کے ہر حصے کے علماء دہلی آ گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ بلبن نے اپنے دورِ حکومت میں وسط ایشیاء سے آئے علماء کے لیے درس و تدریس کے انتظامات کئے بلکہ ان کے رہنے کے لیے مختلف محلّات بھی قائم کئے گئے۔ سلطان بلبن کے عہد میں نامور علماء جو نوادر اساتذہ موجود تھے وہ سب کے سب درس و تدریس اور فتاویٰ کے جواب لکھنے میں معتبر سمجھے جاتے تھے۔ یہ تمام اساتذہ خود میں ہر ایک پایہ کا عالم تھا۔ اس کے علاوہ شیخ فریدالدین شکر گنج، شیخ بہاؤ الدین، شیخ بدرالدین جیسے بزرگ اور فلسفی عالم بھی دہلی میں اس وقت موجود تھے۔ برنی اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں علمی قابلیت کی بنا پر اس دور کو ''خیر الآثار'' کے نام سے پکارتا ہے۔

دورِ بلبن میں کلام مجید، فقہ، حدیث کے علاوہ طب، نجوم کی بھی تعلیمات دی جاتی تھی۔ بقول برنی حمید الدین نجوم اور طب میں اپنے زمانے کے بقراط اور جالینوس تھے۔ علاوہ ازیں بدر الدین دمشقی، مولانا حسام الدین وغیرہ بہترین ماہر اطباء تھے۔ سلطان علاؤ الدین کے پورے عہد میں دارالحکومت دہلی میں ایسے علماء اور اساتذہ موجود تھے کہ اس وقت وسط ایشیاء تو کیا روم، اصفہان تک میں ویسے علماء موجود نہیں تھے۔علم کا کوئی شعبہ خواہ معقولات ہو یا منقولات مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، معقولات اصول دین، نحو، لغت، علمِ معانی، بدیع، بیان، کلام، منطق ہر ایک میں یہ علماء کمال دستگاہ رکھتے تھے۔ برنی نے عہدِ علائی کے زمانہ کو علم و ادب کے لحاظ سے ایک مستثنیٰ عہد کہا ہے۔جس میں اگر کوئی مفتی خراسان، ماوراء النہر، خوارزم یا کسی

اور ملک سے آتا تو متاثر ہو کر اپنے اندر کی علمی کمی کو ان سے پوری کرلیتا تھا۔ حد یہ تھی کہ بیرونی ممالک سے آئے علماء کی کتاب کی قدر و قیمت تبھی سمجھی جاتی جب دہلی کے علماء اسے قابل اعتبار سمجھتے۔ دہلی کی علمی قابلیت وصلاحیت کی بناء پر وہ پورا عہد ترقی یافتہ دور تھا۔

اگرچہ محمد بن تغلق کے عہد کو انتہائی پس ماندہ قرار دینے والوں کی کمی نہیں ہے۔ بقول ابن بطوطہ کہ دہلی جو دنیا کے نہایت شاندار شہروں میں شمار ہوتا تھا، عہد تغلق دہلی ایک ویران ریگستان کی مانند تھا۔ اور دہلی کا تعلیمی مرکز علماء اور خواندہ اشخاص سے خالی ہوگیا تھا۔ اس کے باوجود محمد بن تغلق بیرونی ممالک میں ہورہی ترقی سے پوری طرح واقفیت رکھتا تھا۔ وہ تعلیم کی کمی اور مسلمانوں کی غیر موجودگی کو دکن میں بھانپ گیا تھا۔ دہلی کو دولت آباد میں منتقل کرنے کے پیچھے دراصل اس کا تعلیمی اور تبلیغی جذبہ کارفرما تھا۔ صبح الاعشیٰ، مسالک الابصار، العیان المصر میں اس کی تعلیمی پالیسی کا احترام ملتا ہے۔ اس طرح محمد بن تغلق کا بین الاقوامی تعلقات رکھنا اور علوم معقولات کو سلطنت میں لاگو کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں ہو رہی ترقیات سے نہ صرف پوری طرح واقف تھا بلکہ اس نے تعلیمی اور تہذیبی بیداری کی مہم کو آگے بڑھایا تھا۔ فیروز شاہ کو تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ بلکہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بہت سے علماء ماہرین فلسفہ تھے۔ ان میں مولانا علیم الدین اندپتھی، مولانا خواجگی، مولانا احمد تھانیسری، جید عالم قاضی عبدالمقتدر شہنی قابل ماہرین فلسفۂ معقولات تھے۔ سکندر لودھی کے عہد حکومت میں علمی ترقی اور پروان چڑھی۔ سکندر لودھی شاید پہلا بادشاہ تھا جس نے بزرگان دین کو وسط ایشیاء میں خود دعوت بھیج کر ہندوستان بلایا تھا۔ شیخ عبداللہ تلبنی اور شیخ عزیز اللہ علوم معقولات کے استاد تھے۔ سکندر لودھی شیخ کے درس و تدریس کا قائل تھا۔ عہد سکندری کے تعلیمی نصاب میں شرح مطالع، شرح حکمۃ العین، شرح مواقف جیسی کتابیں شریک نصاب تھیں۔ اکثر تعلیمی اداروں کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔

ضیاء الحسن فاروقی صاحب جیسے صاحب علم وبصیرت بھی یوروپی مورخین کی ان ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئے اور عہدِ وسطیٰ کے پورے تعلیمی نظام کو جامد قرار دے دیا۔ عہد جدید کے مورخین نے بھی عہد وسطیٰ کی تاریخ کو مذہبی معتقدات اور ان کے بنائے ہوئے سیاسی اور معاشی اداروں کو مذہب اور قومیت کے موجودہ تصورات کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کی ہے۔ محمد یوسف حسین، ضیاء الحسن فاروقی، جادوناتھ سرکار وغیرہ نے ان سلاطین کے تمام سیاسی اعمال وحرکات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ گویا ان کی زندگی سرتا پا مذہبی جذبہ کا نتیجہ تھی۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اکثر سلاطین کو جہاں ان کا مذہبی رجحان میں خیال رکھنا پڑتا تھا وہیں دوسری طرف ایک سلطان ہونے کی حیثیت سے انھیں عوام وخواص کی بھلائی کے لیے اکثر مذہبی رجحان کو بالائے طاق رکھنا پڑتا تھا۔ عہد وسطی میں تعلیم صرف مدارس ہی میں نہیں دی جاتی تھی بلکہ عام اور غریب لوگوں کو تعلیم دینے کا رواج خانقاہ میں ہوتا تھا۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت جب تعلیمی مدارس خطرے میں تھے، ایسے میں شاہ ولی، قطب الدین سہالوی جیسے علماء صوفیاء مسلمانوں کی تعلیم وترقی کے لیے معاون ثابت ہوئے۔ مغل عہد کی علمی ترقیات بھی کم نہیں تھیں۔ اکبر نے اپنے سماجی، سیاسی، اور معاشرتی اصلاحات کے ساتھ نہایت عمدہ تعلیمی انتظامات بھی کیئے تھے۔ یہی نہیں ہندو مذہب کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اکبر کی تعلیمی دلچسپی اس کی خواندگی کا عمدہ ثبوت ہے۔ فتح اللہ شیرازی اس کے عہد کا خاص عالم معقولات تھا۔

بعد ازاں ۱۸ ویں صدی میں اس کے درسی نصاب میں تبدیلی کرکے اور بہتر بنانے میں فرنگی محل اور شاہ ولی اللہ نے خاص رول ادا کیا۔ اس طرح یہ بات بھی صاف واضح ہوجاتی ہے کہ عہد سلطنت سے ۱۸ ویں صدی تک تعلیم کی اشاعت کا رواج خاص طور پر ترقی پذیر رہا ہے۔

مغل عہد میں غالباً سابقہ عہد کی طرح عورتوں کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ عورتوں میں تعلیم ایک خاص طبقہ تک محدود تھی۔ ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم سے متعلق یہ صورتِ حال قدیم زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ البیرونی کے مطابق "عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ کھیتی باڑی کرتیں اور گھر سنبھالتی ہیں"۔ لیکن ہندوستان کے امراء، رووساء، سلاطین اور بادشاہ اپنی بچیوں اور عورتوں کو تھوڑی بہت منقولات کی تعلیم دیتے تھے ان کے لئے اتالیق مقرر کرنے کے ثبوت ہر دور میں ملتے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ آج ہی کی طرح اُس دور میں بھی تعلیم کی اتنی ہی اہمیت تھی۔

☆☆☆